تفرید الٰہی، یعنی کائنات میں صرف اور صرف خدا کی ہستی باقی رہ جانے والی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4/ اکتوبر 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ (الزمر: 68 تا 71)

پھر فرمایا:

یہ آیات جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے ان کا عنوان اس پہلی آیت کا یہ پہلا ٹکڑا ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وائے حسرت انسانوں پر جو اللہ کی قدر نہیں کرتے جیسا کہ اللہ کی قدر کرنی چاہئے اور اگلا مضمون جو ہے وہ قدر کے ان پہلوؤں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جن میں بنی نوع انسان اکثر غافل ہیں اور اللہ کی قدر نہیں کرتے۔ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

خدا وہ ہے جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہو۔ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ یعنی زمینیں بھی اور آسمان بھی، زمینی لوگ بھی اور آسمانی لوگ بھی سب خدا کے حضور ایسے ہوں گے جیسے ان کی صف لپیٹ کر گویا خدا کے ہاتھوں کے گرد لپیٹ دی گئی ہو۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ یہ وہ وقت ہوگا جب کہ پھر صور پھونکا جائے گا اور پہلا صور جو ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ پہلے صور کے نتیجہ میں جو کچھ بھی زمین و آسمان میں ہے وہ غش کھا کے جا پڑے گا یعنی وہ تفرید کا ایک ایسا لمحہ ہے جس کی کوئی اور مثال کہیں دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتی یعنی قرآن کریم کی آیات میں جیسا تفرید الٰہی کا مضمون یہاں بیان ہوا ہے اس کامل اطلاق کے ساتھ کہ وہ ہر کائنات کی شے پر حاوی ہو کہیں اور مضمون بیان نہیں ہوا۔ یہ ہے اللہ کی قدر کہ خدا کے سوا ہر چیز عملاً ایسے ہو جیسے غائب ہو چکی ہو، اس کا کوئی وجود نہیں رہا اور مَنْ جو لفظ ہے وہ تمام ذی شعور ہستیوں کے اوپر اطلاق پاتا ہے، جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے سب کے اوپر یہ لفظ اطلاق پا رہا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ شعور کے لحاظ سے وہ مالکیت کا عروج ہے ایسی مالکیت جلوہ گر ہوگی کہ جس کی کوئی مثال آپ کو کہیں اور پہلے دکھائی نہیں دے گی ایک ہی ذی شعور ہستی رہ جائے گی تمام کائنات میں آسمانی وجود ہوں یا زمینی وجود ہوں سب، کچھ وقفے کے لئے، جس کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں اپنے ہوش وحواس سب کھو دیں گے اور ملکیت کا تصور تمام تر مکمل ہو کر خدا کی طرف لوٹے گا۔ اس کے بعد لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کا دور شروع ہوتا ہے۔ ہر چیز جو خدا نے پیدا کی ہر شعور جو خدا نے بخشا زمینی ہو یا آسمانی ہو وہ ایک وقت میں واپس لوٹ جائے گا خدا کی طرف۔ اس کے سوا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ اس کو تفرید کہتے ہیں یعنی اکیلا رہ جانا اور یہی ملکیت کا مفہوم ہے کہ حقیقی مالک چونکہ وہی ہے اور ثانوی ملکیتیں جو اس نے بخشی ہیں وہ چونکہ واپس لے لی جائیں گی کیونکہ اس کے بعد پھر فیصلوں کا مضمون شروع ہوگا۔ ایسے فیصلے جو کائنات کے آغاز سے لے کر آخر تک تمام اہم امور سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے فیصلے پھر اس دن کئے جائیں گے۔ اس لئے خدا کی ملکیت کا ظہور اس سے پہلے، حشر نشر سے پہلے مکمل ہو جانا چاہئے لیکن اس میں ایک اِلَّا بھی ہے جس کے متعلق اس سے پہلے میں روشنی ڈال چکا ہوں۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ مفسرین اس

بحث میں الجھے رہے ہیں، بعض احادیث سے بھی بعض استنباط ہوتے ہیں گویا حضرت موسیٰؑ وہ پہلے ہوں گے جو اٹھیں گے، دوبارہ ہوش میں آئیں گے۔ اس پہلو سے اگر وہ پہلے ہوش میں آنے والے بھی ہوں تو پھر وہ کون ہے جسے خدا بے ہوشی سے محفوظ رکھے گا اور اس کے باوجود اس کی ملکیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہ وہ مضمون ہے جو میں آپ پر آج کھولنا چاہتا ہوں۔ مالکیت تام ہوگی ایسی تام کہ اس میں کسی اور کے حصے کا کوئی شک شبہ کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اس کے باوجود پھر بھی جسے اللہ چاہے گا اسے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دے گا یعنی پہلے صور پھونکا جانا ہے اس کی بے ہوشی ہے۔

میرے نزدیک باوجود دوسرے علماء کے اختلاف کے یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ اس میں مَنْ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے خواہ کیسے بھی مرتبے رکھتے ہوں کبھی کسی فرشتے کے تعلق میں ان کو ملکیت میں خدا تعالیٰ کے پورے سائے تلے، خدا تعالیٰ کی مالکیت کے سائے تلے ایک ہو جانے کا تصور نہیں ملتا۔ گویا صفت مالکیت کا کامل ظہور ہوا ہے۔ سوائے آنحضرت ﷺ کے جن کو خدا نے اس دنیا میں اپنی مالکیت کا مظہر بنایا ہے اور کسی نبی کا وجود نہیں ہے جو اس تصور میں رسول اللہ ﷺ کا شریک ہو سکے تبھی تاکستان والی تمثیل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی مضمون پیش کیا ہے کہ جب بیٹے کی بھی بات نہیں سنی جائے گی تب مالک آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی نبی ہے جس کو تمثیلاً اللہ کا نام دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کسی نبی کو اللہ کا نام نہیں دیا گیا۔ اللہ کا نام کسی اور نبی کو دینا محفوظ نہیں تھا کیونکہ خدا کا نام کامل طور پر آنحضرت ﷺ پر اطلاق پا کر محفوظ رہتا ہے اور اس بات کا شائبہ بھی پیدا نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ، اللہ بن گئے ہیں یا اللہ کی صفات میں برابر کے شریک ہو گئے ہیں۔ پس مالکیت بھی اسی کو سونپی جانی تھی جس کے پاس مالکیت محفوظ ہے۔ جو اس کامل طور پر اپنے وجود کو کھو چکا ہے کہ واہمہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا کہ یہ وجود جسے خدا اپنی مالکیت میں شریک کر رہا ہے خود واقعۃً مالک بن بیٹھے گا۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:163) تو کہہ دے کہ میرا اپنا تو کچھ رہا ہی نہیں باقی۔ میرا مرنا جینا، میری عبادتیں میری قربانیاں سب کچھ کلیۃً خدا کی ہو چکی ہیں۔ ایک ایک سانس، ایک ایک لمحہ میرے اللہ کا ہو چکا ہے یہ وہ وجود ہے جسے خدا نے مالک فرما دیا، مالکیت میں اپنا شریک کر لیا۔ پس اگر قیامت کے دن مالکیت کلیۃً خدا کی طرف لوٹ جائے تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا

وجود اشارۃً بھی اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا۔ ہاں اس مالکیت کا نظارہ کرنے والا کوئی ہونا چاہئے تھا ورنہ یہ انتہائی لطف کا لمحہ کائنات کی دسترس سے باہر ہو جاتا۔

پس وہ ایک منظر ہے جس کو میرا دل قبول کرتا ہے اور میرا ذہن اس کی تصویر کھینچتا ہے، روح کا ذرّہ ذرّہ اس پر فدا ہوتا ہے۔ تمام مالکیت خدا کی طرف لوٹ گئی اور محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود اس میں باشعور ہونے کے باوجود اس میں حائل نہیں ہے۔ اس وقت پھر ایک صور پھونکا جائے گا۔ احادیث میں آتا ہے سب سے پہلا شخص جو سر اٹھائے گا وہ موسیٰ ہوں گے تو اس کو دیکھنے والا بھی تو کوئی تھا یعنی خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو، میرے نزدیک، پہلے کامل ہوش میں رکھا تھا۔ آپؐ گویا یہ نظارہ کر رہے ہیں کہ سب سے پہلے کون رسول سر اٹھاتا ہے وہ حضرت موسیٰؑ ہیں۔ ''سب سے پہلے'' میں علماء رسول اللہ ﷺ کو اس طرح نکال دیتے ہیں کہ گویا آپ بھی تمام میں شامل تھے اور اس کے باوجود موسیٰؑ کو پہلے ہوش آئی رسول اللہ ﷺ کو نہیں آئی۔ یہ جو حدیثیں ہیں بہت الجھاؤ والی ہیں اور ان پر تفصیل سے میں ایک دفعہ روشنی ڈال چکا ہوں لیکن منطقی بحثوں میں پڑے بغیر میں پھر اپنے اس کامل ایمان کا اظہار کرتا ہوں کہ وہ حدیثیں درست روایت کے لحاظ سے تھیں یا نہیں ان کا جو بھی مفہوم ہے اس آیت کریمہ میں جو مَنْ ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ورنہ مالکیت میں کوئی اور حق دار ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر خدا کے علاوہ کوئی اور شعور میں رکھا جائے اور مالکیت اس کی طرف کامل طور پر لوٹ جائے تو ہر باشعور اس مالکیت میں کسی نہ کسی رنگ میں حصہ پائے گا اور اپنے انفرادی وجود کی حیثیت سے وہ باقی رہے گا۔ مگر وہی ہے جو رکھا جا سکتا ہے جس کا باقی رہنا نہ رہنا ان معنوں میں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا کہ گویا وہ خدا کی کسی صفت میں اس سے برابری کا کسی پہلو سے بھی دعویدار رہا ہو یا اس کے وہم و گمان سے بھی یہ بات گزر سکے یہ کامل وجود سوائے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی نہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفاسیر بھی اسی بات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں مالکیت میں سورہ فاتحہ میں جو لفظ مالک آتا ہے آخر پر یہ ظاہر کر رہا ہے، ثابت کر رہا ہے کہ وہ آخری رسول اللہ ﷺ، جو آخری پیغمبر بن کے خدا کا پیغام لے کے دنیا کے سامنے آئے وہ خدا کی مالکیت کے مظہر تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور اس صفت میں آپؐ کا کوئی اور شریک نہیں۔

پس اس پہلو سے یہ اللہ کی قدر ہے جو کسی کو علم نہیں، کوئی اس کا حق ادا نہیں کرتا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اللہ کے سوا کسی کو اس قدر کا علم نہیں جو یہ قدر ہے کہ ہر چیز جو اس نے پیدا کی ہے بالآخر کالعدم ہو جائے گی۔ صرف ایک وجود جسے وہ چاہے گا رکھے گا۔ اس وجہ سے نہیں کہ مالکیت میں کوئی رخنہ پیدا ہوگا، اس لئے کہ مالکیت میں اس کے ہونے سے کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ پھر کیا ہوگا۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ تب خدا تعالیٰ کی طرف سے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ ارض سے مراد یہاں وہ محل ہے، ارض سے مراد ہر جگہ زمین نہیں ہوا کرتی، ارض سے مراد وہ Expanse ہے، وہ دائرہ وسعت ہے جس میں کوئی واقعہ رونما ہو رہا ہوگا وہ اللہ کے نور سے روشن ہو جائے گا۔ ایک حیرت انگیز نور کا جلوہ ہوگا جو ہر چیز کو ڈھانپ لے گا۔ اس وقت کتاب پیش کی جائے گی۔ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ اور نبیوں کو شہداء کے طور پر لایا جائے گا۔ اب اس میں بھی بعض دفعہ غلطی سے رسول اللہ ﷺ کو اس لئے داخل کیا جاتا ہے آپؐ بھی نبی ہیں۔ آپؐ بھی شہید ہیں۔ مگر قرآن کریم کی دوسری آیت یہ بتا رہی ہے کہ تمام نبی جب شہداء کے طور پر پیش ہوں گے تو آپؐ ان سب پر ان سب کے شہید کے طور پر پیش ہوں گے۔ اس لئے وہاں الگ ذکر جو شہید کا ہے یہ بتا رہا ہے کہ جو مضمون میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اس کے ساتھ وہ متصادم نہیں ہے، یہ آیت کہ نبی شہداء کے طور پر پیش ہوں گے۔ دوسری جگہ خدا تعالیٰ نے کھول دیا ہے کہ سب نبی بطور شہداء آئیں گے اور اے محمد ﷺ! پھر تو ان سب کے اوپر شہید بن کر آئے گا یعنی ان کا شہید بنا دیا جائے گا۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ حق کے ساتھ ان کے درمیان پھر فیصلہ کیا جائے گا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جس پر ظلم کیا جائے۔ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ ہر جان اس وقت جو کچھ اس نے کیا ہے وہ پورا پورا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ اور وہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

اس آیت کا تعلق محض اس المناک وفات سے نہیں ہے جو ہمارے پیارے بھائی آفتاب احمد خان کی وفات سے ہمیں صدمہ پہنچا ہے۔ اس موقع پر اس وفات کے حوالے سے اس آیت کا مضمون آپ کو میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ یاد رکھیں سب نے وہیں جانا ہے، کوئی مستثنیٰ نہیں۔ یاد رکھیں کہ

وہی ایک ہے جو باقی رہنے والا ہے، وہی ہے جو باقی رہے گا۔ باقی سب ثانوی وجود یہاں تک کہ اپنے نفس کا احساس تک سب کچھ مٹ جانے والا ہے۔ پس اس کی تیاری کرنی چاہئے کہ وہ وقت جو سب پر آنا ہے اس کی فکر کریں۔ جو بھائی اچھے حال میں خدا کی رضا کی راہوں پر چلتا ہوا رخصت ہو گیا اس کی فکر کا تو موقع نہیں اپنی فکر کا موقع ہے کیونکہ ابھی ہمارا دار العمل باقی ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم نیک اعمال پر، اگر کچھ ہیں قائم رہیں گے کہ نہیں رہیں گے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم اپنے بداعمال کے داغ دھو سکیں گے کہ نہیں دھو سکیں گے۔ وہی جانتا ہے کہ کس صورت میں ہم اس آواز پر لبیک کہیں گے جو سب کو آنے والی ہے۔

اسی لئے اِنَّا لِلّٰہِ کے تعلق میں میں نے پہلے بھی یہ بات آپ کے سامنے کھولی تھی کہ جب ہم اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے ہیں تو پہلے اپنے اوپر پڑھا کریں اور مرنے والے پر اس کا اطلاق آپ پڑھیں نہ پڑھیں ویسے ہی ہوتا ہے، وہ تو لوٹ بھی گیا۔ انّہ للّٰہ و انّہ الیہ راجعون تو نہیں فرمایا کہ یہ مرنے والا اللہ ہی کی طرف سے آیا تھا اور اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔ اس مضمون کو تو خدا نے نکال ہی دیا ہے یہاں سے۔ فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ہم جو زندہ ہیں اس وقت، ہم بھی تو اسی کی طرف سے آئے ہیں اور ہم سب بھی اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ پس جو پیچھے رہ جاتے ہیں ان کو اپنی فکر زیادہ چاہئے جانے والے کی فکر کے مقابل پر کیونکہ جب خدا نے اس کے اعمال کا دروازہ بند کر دیا تو پیچھے رہنے والوں کا اس میں دراصل کچھ بھی دخل باقی نہیں رہتا۔

دعائیں ہیں، دعائیں تو ہوتی رہتی ہیں ہمیشہ لیکن زندوں کے لئے پہلے اور مرنے والوں کے لئے بعد میں۔ ہر جنازے پر آنحضرت ﷺ کا یہی طریق تھا کہ پہلے **اللّٰھم اغفر لحیّنا و میتنا** اے اللہ ہمارے زندوں پر اپنی مغفرت فرما اور میتوں، مردوں کی بھی مغفرت فرما۔ تو جس مضمون کو حضور اکرم ﷺ نے جہاں بیان فرمایا، جہاں رکھ دیا ناممکن ہے کہ اس کو اپنی جگہ سے اٹھا کر کسی اور جگہ رکھا جائے اور بدزیبی پیدا نہ ہو۔ وہ محل جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک لفظ رکھ دیا وہیں رہتا ہے اور اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا، اس کو ہلایا نہیں جا سکتا۔ پس اس سے پیغام ہمیں یہ ملنا چاہئے کہ ہر وہ موت جو کسی نیک صالح انسان کی موت ہو جس نے اپنی زندگی کو خدا کے لئے خدمت میں وقف کر رکھا ہو اس سے سب سے پہلی توجہ اپنے اعمال کی طرف پھرنی چاہئے اور اپنی بقیہ زندگی کی بے اختیاری کی طرف

نگاہ جانی چاہئے اور یہ ایک عزم صمیم پیدا ہونا چاہئے کہ جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا یہ نہ ہو کہ مجھے ایسے وقت میں آواز آجائے کہ جب بے خبری کی حالت میں، میں اپنی حالت سے بے خبر خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جاؤں اور اس کوشش میں مصروف نہ ہوں کہ میرے گناہوں کے داغ مٹ رہے ہوں۔ اس جدوجہد میں میری جان نہ جائے، نعوذ باللہ من ذالک کہ جس سے پتا چلتا ہو کہ میں خدا کی راہ میں سرک سرک کے بھی زور سے طاقت کے ساتھ، کبھی کمزوری کے ساتھ، مگر آگے بڑھ رہا ہوں، مسلسل آگے بڑھ رہا ہوں۔ یہ وہ انسان کی سوچ ہے جو اس کی آئندہ زندگی کی ضمانت ہے، اس بات کی ضمانت ہے کہ جس حال پہ بھی اس پر موت آئے گی وہ خدا کی رضا پر مرے گا۔

پس اس پہلو سے آفتاب احمد خان صاحب کے وصال کے نتیجہ میں جو ہمارے اندر خلاء پیدا ہوا ہے وہ خلاء اسی طرح بھر سکتا ہے کہ آپ کے نقش قدم پر چلنے والے اور آپ کی وفات سے سبق لینے والے بکثرت پیدا ہوں اور انگلستان کے چونکہ امیر تھے اور بہت ہی شاندار امارت رہی، بہت ہی کامیاب رہی ہے اس لئے انگلستان کی جماعت میری اولین مخاطب ہے۔ یہ تو ہمیں وہم پیدا ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی کے چلے جانے سے خدا کے کام بند ہو سکتے ہیں، ناممکن ہے۔ ہاں کسی کے چلے جانے سے اس سے نقوش قدم پر چلنے والے اگر نئے پیدا ہو جائیں تو وہ اس کا وصال کام آگے بڑھانے والا تو بنتا ہے، کام کو پیچھے دھکیلنے والا نہیں بنتا۔

اور یہی وہ شعر ہے جو ایک عربی شاعر نے کہا جو خود زندہ جاوید ہے:

اذا سید منا خلا قام سید

قؤول لما قال الکرام فعول (السموأل بن غریض)

ہم تو ایک زندہ قوم ہیں ہم میں کسی بڑے آدمی کے مرنے سے قوم نہیں مرا کرتی۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ''اذا سید منا خلا'' جب ایک سردار، عظیم الشان خوبیوں کا مالک ہم میں سے نکل جاتا ہے گزر جاتا ہے قام سید ایک اور سردار اٹھ کھڑا ہوتا ہے قؤول لماقال الکرام جو معزز لوگ کہا کرتے تھے ویسی ہی باتیں وہ بھی کہتا ہے فعول اور اسی طرح عمل کرنے والا ہے۔ محض زبانی جمع خرچ پر بات کو نہیں چھوڑتا بلکہ اپنے افعال، اپنے نیک اعمال سے ثابت کرتا ہے کہ وہ ان نیکوں میں اسی طرح ایک زندہ وجود ہے جس طرح مرنے والا اس کی ذات میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

پس جب ہم کہتے ہیں وہ زندہ رہے گا یا ہمیشہ زندہ رہے تو مراد یہی ہوتی ہے کہ اپنے پیچھے ایسے وجود چھوڑ جائے جن میں ہو کر پھر وہ زندہ رہے اور ایک سے زیادہ ہوتے چلے جائیں، بجائے کم ہونے کے۔ یہ تصور دنیا میں بھی پایا جاتا ہے مگر ایک بھیانک صورت میں ۔ سچی، حقیقی صورت میں جو بھیانک نہیں بلکہ بہت ہی دلربا ہے وہ اسلام ہی میں پایا جاتا ہے یہ تصور۔ کہانیوں میں ذکر ملتا ہے ایک Hydra-Headed جن کا، ایک ایسے بھوت کا جس کے ایک سے زیادہ سر تھے اور جتنے سر کاٹتے تھے اتنے ہی زیادہ اگتے چلے جاتے تھے اور ناممکن تھا کہ اس کو ختم کیا جا سکے۔ یہ تصور پرانے زمانے کی کہانیوں میں ملتا ہے مگر ایک حقیقت پر مبنی ہے محض ایک وہم نہیں محض ایک کہانی نہیں۔ Hydra ایک ایسا جانور ہے جو واقعۃً یہ صفات رکھتا ہے۔ اس کے سر کو اگر کاٹا جائے تو وہ کٹا ہوا سر اپنے نیچے سے ایک اور وجود پیدا کر کے سارا جسم مکمل کر لیتا ہے اور کٹا ہوا جسم ایک سر نکال کر ایک اور وجود مکمل کر لیتا ہے۔ پس عجیب جانور ہے کہ جس کو کاٹ کر ختم نہیں کیا جا سکتا، جسم اپنا سر پیدا کر لے گا، سر اپنا جسم پیدا کر لے گا۔ پس اس قسم کے واقعات پرانے زمانوں میں سائنس دانوں نے مشاہدہ کئے ہیں۔ اس زمانے کے سائنس دان بھی بہت غور کرنے والے لوگ تھے، بڑے بڑے فلسفی تھے جنہوں نے Hydra کا یہ حال دیکھا ہوگا اس سے یہ کہانیاں بن گئیں۔ کوئی جن بھوت ہے جس کو جتنا کاٹو وہ اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مگر اسلام میں جو یہ تصور ہے یہ نیکی کی ترویج سے تعلق رکھتا ہے اور اس مضمون سے تعلق رکھتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی ایک نہیں ہے اور اللہ قائم رہتا ہے اور اگر اللہ قائم رہے تو اس سے تعلق رکھنے والے بھی قائم رہا کرتے ہیں ان معنوں میں۔ پس اگر خدا سے تعلق جوڑے رکھو گے تو تم نیک معنوں میں Hydra بن جاؤ گے جس کا ایک سر جدا ہو تو دوسرا سر بھی اگ آتا ہے اور ایک اور جسم بھی نکل آتا ہے اس سر کے نیچے سے، تو وہ بڑھتا ہے، کم نہیں ہو سکتا۔

پس وہ لوگ جو اپنے بڑوں، بزرگوں، نیکوں کی وفات کے اوپر یہ عزم لے کر زندہ رہتے ہیں کہ ہم نے ان نیکوں کو نہیں مرنے دینا۔ جس خدا نے ان کے وجود کو یہ نیکیاں بخشی تھیں ہم اسی سے اپنا تعلق بڑھائیں گے اور اس تعلق کے نتیجہ میں ہمارے اندر کمزوری پیدا ہونے کی بجائے پہلے سے بڑھ کر تقویت آئے گی۔ جو قومیں، جو روحانی، مذہبی قومیں اس راز کو سمجھ لیں ان کے اوپر کبھی موت نہیں آسکتی۔ ناممکن ہے کہ وہ ختم ہو جائیں، ہمیشہ بڑھتی چلی جائیں گی لیکن بدنصیبی ہے کہ مذہبی قوموں میں

اکثر اپنی زندگی کو کسی موت پر آگے بڑھانے کی بجائے ماضی کی موتوں کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔ وہ قومیں مردہ لوگوں کے ساتھ زندہ ہونے لگ جاتی ہیں یعنی ان معنوں میں نہیں کہ ان کی خوبیوں کو لے کر خود ان نیکیوں کو آگے بڑھائیں بلکہ مردوں کے تصور سے اپنے آپ کو ایسا باندھ لیتی ہیں کہ گویا ہماری زندگی ان کی زندگی تک تھی اور اب بھی اگر ہم زندہ ہیں تو ان کے واسطے زندہ ہیں۔ خوبیوں سے نہیں، ان کی عطاؤں سے زندہ ہیں۔ پس جتنے بھی بزرگ ہیں جن کی قبروں پر سجدے کئے جاتے ہیں، جتنے بھی داتا ہیں جن سے مرادیں مانگی جاتی ہیں یہ سارے اس برعکس صورت کا مظہر ہیں کہ قوم اپنی زندگی ماضی کے حوالے کر کے ایک مردہ جسم کو آگے دھکیلتی چلی جاتی ہے، جو کتنا مختلف مضمون ہے اس مضمون سے جو قرآن کریم آپ کے سامنے رکھتا ہے کہ اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق رکھو اور بڑھتے چلے جاؤ۔ ایک کامل وجود سے دوسرے وجود پیدا ہوں۔

بار بار میں اس مضمون کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور آنحضرت ﷺ کے حوالے سے رکھتا ہوں۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:30)۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ہیں اور اکیلے نہیں رہنے والے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ پہلے کہاں تھے جب ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا اکیلے تھے لیکن آپ اٹھے تو آپ کے ساتھ جو لوگ اٹھے وہ آپؐ نے اٹھائے ہیں۔ جو معیت والے خوش نصیب یہاں مذکور ہیں وہ معیت محمد رسول اللہ ﷺ نے خود ان کو عطا کی اور آپؐ کی بدولت، آپؐ کی قوّت قدسیہ سے وہ لوگ زندہ ہو ہو کر آپؐ کے ساتھ شامل ہونے لگے۔ پس یہاں وہ Hydra کا برعکس مضمون ہے جس کا میں نے ذکر کیا تھا کہ مومنوں میں سے اگر ایک سردار پیدا ہوتا ہے تو وہ کم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود پھیلتا چلا جاتا ہے اور یہ مضمون ایک فرق رکھتا ہے Hydra کے ساتھ۔ Hydra میں اس کا بڑھنا اس کی موت سے لازماً وابستہ ہے۔ مگر مومن کی نشوونما موت سے پہلے یقینی طور پر ہو کر اس بات کو ناممکن بناتی ہے کہ ان کا سردار مر جائے تو قوم بھی ساتھ مر جائے۔ اپنے جانے سے پہلے اپنے زیر تربیت، اپنے پروں کے نیچے پلے ہوئے لوگوں کو وہ وجود چھوڑ جاتا ہے۔ تب ہی خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کے ساتھ آپؐ کے صحابہ کے اسوہ کا ذکر فرمایا۔ یہ تو مراد نہیں تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے موجود ہوتے ہوئے کسی اور اسوہ پر نظر پڑ سکتی تھی۔ وہ تو مٹے ہوئے اسوہ نظر آتے تھے۔ وہ ایسے تھے جیسے سورج کے سامنے

شمعیں بجھ چکی ہوں۔کون تھا جو اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے اسوہ کی تلاش کیا کرتا تھا، کون تھا جو عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ کے اسوہ کے پیچھے بھاگتا تھا۔ایک ہی تھا محمد رسول اللہ ﷺ جن کا اسوہ تھا اور باقی سب اسوے اس کے سامنے مٹے ہوئے تھے۔پس قرآن کریم کی یہ ہدایت کہ ان کے اسوہ کی پیروی کرو، بتا رہی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جب جدا ہو جائیں گے تو یہ لوگ اپنی ذات میں محمد رسول اللہ ﷺ کی شمعوں کو زندہ رکھنے والے ہوں گے کہ آپ اپنے وصال سے پہلے یہ کر چکے ہیں۔وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ کا مضمون صادر آچکا ہے۔اس لئے زندگی ہی میں ایسا ہونا لازم ہے۔مگر اگر نہ ہوا ہو تو پھر کسی کی موت اگر کچھ زندہ لوگ پیدا کر دے تو کتنی خوش قسمت موت ہوگی اور وہ لوگ بھی خوش قسمت ہوں گے جو کسی کے مرنے سے مر نہیں جایا کرتے بلکہ زندہ ہو جاتے ہیں۔یہ وہ سارا مضمون ہے جس کے پیش نظر میں نے اس آیت کریمہ کی آپ کے سامنے تلاوت کی اور میں امید رکھتا ہوں کہ آپ انشاء اللہ تعالیٰ قرآن کی ان آیات کے مصداق بنیں گے۔

جب ان کے وصال کی خبر ملی اس وقت میں ہارٹلے پول میں تھا اور سوائے اس کے میرے دل سے کوئی آواز نہیں اٹھی کہ اِنَّا لِلّٰہِ ہمارا ایک بھائی ہم سے جدا ہو گیا۔میں نے پرائیویٹ سیکرٹری سے کہا کہ تذکرہ کا مطالعہ کرو مجھے بتاؤ یہ جو اچانک سا واقعہ ہوا ہے عجیب، کیا اشارۃً کسی جگہ ذکر ملتا ہے الہام میں، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں۔تو ایک ایسا الہام انہوں نے نکالا ہے جو میں یہ نہیں کہتا کہ لازماً اس واقعہ پر اطلاق پاتا ہے مگر مشابہ بہت ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، یہ ذکر حبیب میں مفتی صاحب کی روایت ہے، حضرت مفتی صاحبؓ کی۔فرمایا

''تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ الہام ہوا اِنَّا لِلّٰہِ ہمارا بھائی اس دنیا سے چل دیا۔''

اور یہ وہ خبر ہے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں۔

''مصداق ذہن میں نہیں آیا'' (تذکرہ:664)

حالانکہ اکثر الہامات جو اشارۃً بھی ہوتے رہے ہیں مثلاً پل ٹوٹ گئے یا دو شہتیر ٹوٹ گئے، شاتان تذبحان ہر جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک توجیہہ پیش فرمائی ہے ایک

تعبیر بیان کی ہے کہ میرے نزدیک یہ وہ امکانی طور پر مصداق ہے اس الہام کے یعنی اپنے صحابہؓ میں سے بعض کے نام لئے۔ بعض جگہ یقینی مگر بعض جگہ امکانی طور پر فرمایا۔ یہ وہ الہام ہے جو خاموش پڑا ہوا ہے آج تک تذکرہ میں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بعد اور کچھ نہیں فرمایا اور کسی صحابیؓ نے پھر اس کی کوئی اور توجیہہ کر کے کسی پر اطلاق نہیں کیا اور چونکہ یہ فقرہ ویسا ہی تھا جیسا کہ بے اختیار میرے منہ سے نکلا، کوئی الہام نہیں تھا مگر ایک دل کا بے ساختہ اظہار تھا اس کے سوا میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ تو یہ پڑھ کر مجھے بہت تعجب ہوا اور دل کو ایک سکینت بھی نصیب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر دور تک نظر رکھتا ہے اور بعض ایسے الہامات جو بظاہر بے عنوان ہوں یہ خدا کے بہت سے بندوں پر اطلاق پائیں گے اور پاتے چلے جائیں گے۔ پس یہ بھی میں نہیں کہتا کہ آفتاب احمد خان ہی ہیں جو اکیلے با قاعدہ مراد تھے۔ یہ تو ایک بہت بڑا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو نعوذ باللہ سمجھ نہیں آئی مگر مجھے آ گئی مگر میری مراد صرف اتنی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک معین شخص بتا کر نہ سمجھانا یہ ایک حکمت رکھتا ہے کہ ایسے کئی پاک وجود اس دنیا سے رخصت ہوتے رہیں گے جن کے وصال کی خبر سے بے ساختہ مومنوں کے دل سے یہ آواز اٹھے گی ''اِنَّا لِلّٰہِ! ہمارا بھائی اس دنیا سے چل دیا''۔ پس ایک بھائی چل دیا مگر دعا کریں کہ کثرت سے ایسے اور بھائی پیدا ہوتے رہیں۔

آپ کے ذکر خیر میں میں کچھ باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ کی نیکیوں سے باقی لوگوں کو بھی نصیحت ہو اور وہ ویسا بننے کی کوشش کریں۔ مختصراً آپ کے حالات زندگی یہ ہیں کہ 24 ستمبر 1924ء کو آپ محترم خان ثناء اللہ خان صاحب اور محترمہ امتہ المجید صاحبہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے نانا مکرم شیخ محمد صاحب صحابیؓ تھے اور آفتاب خان صاحب مجھے بتایا کرتے تھے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی آپ کے آباؤ اجداد میں سے کسی طرف سے ہیں۔ پس اندھیروں سے دن نکلنے کا جو مضمون ہے وہ اس پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔ محمد حسین صاحب بٹالوی کی اوّل تو ان کا اپنا ایک نواسہ سعید حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لا کر اپنے نانا کے کذب پر مہر تصدیق ثبت کر گیا۔ کذب پر بھی ایک تصدیق ہوا کرتی ہے اور بڑے کھلم کھلا اعلان کیا کرتے تھے کہ میرا نانا جھوٹا نکلا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے تھے۔ تو اب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

محمد حسین صاحب بٹالوی کی اولاد میں سے تصدیق کرنے والے اور اوّل درجے پر خادم، خدمت کا مقام حاصل کرنے والوں میں ایک ہمارے آفتاب خان صاحب بھی بنتے ہیں۔ آپ کے نانا شیخ محمد صاحب تھے۔ بڑے ہو کر گورنمنٹ کالج لاہور سے آپ نے تاریخ میں MA کیا۔ میں مختصر بتا رہا ہوں آپ کی والدہ بھی ایک صحابیؓ کی اولاد تھیں۔ 1945ء تا 1947ء تک گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں پڑھاتے رہے۔ گورنمنٹ کالج میں تعلیم حاصل کی وہاں سے MA کیا ہے آپ نے۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں پڑھایا، پھر 1947ء میں انکم ٹیکس افسر لاہور مقرر ہوئے۔ پھر 1948ء میں فارن سروس آف پاکستان میں آئے ہیں پہلی بار اور 1948ء سے 1989ء تک سیاسی مبصر اور سفیر کے طور پر پاکستان کی خدمت کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں واشنگٹن نیویارک جکارتہ، لندن، دہلی، اٹلی وغیرہ وغیرہ اور یوگوسلاویہ، یہ لکھا تو نہیں ہوا مگر مجھے یاد ہے آپ یوگوسلاویہ میں بڑی خدمت سرانجام دیتے رہے ہیں۔ یہ آپ کی جو پروفیشنل زندگی ہے ایک بیوروکریٹ کے طور پر اس کا یہ خلاصہ ہے۔

50-1949ء میں UNO کی میٹنگ میں شمولیت کی جبکہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ وزیر خارجہ تھے۔ مسئلہ کشمیر، لیبیا، تیونس، مراکو اور الجیریا کے مسائل پیش کئے گئے جن میں آپ کو پاکستان کی طرف سے نمائندگی یعنی بیوروکریٹک لیول پر نمائندگی میں خدمت کی توفیق ملی۔ وزارت خارجہ میں ڈائریکٹر جنرل کے طور پر بھی آپ کی پوسٹنگ رہی، اٹلی اور یوگوسلاویہ میں پاکستان کے سفیر تھے اور جماعتی خدمات کا جہاں تک تعلق ہے پہلی بار آپ کو 1981ء میں جلسہ سالانہ ربوہ میں تقاریر کا انگریزی ترجمہ پیش کرنے کا موقع ملا۔ یہ وہ ابتدائی تجربہ تھا جو خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ کروایا اور مجھے پتا نہیں تھا کہ آئندہ خدا تعالیٰ مجھ سے اس نہج میں کام لینا چاہتا ہے اس لئے مجھے خیال آیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے زمانے میں، آخری دو تین سال کے اندر بہت اصرار کے بعد میں نے یہ نظام شروع کیا کہ کیسٹس کی صورت میں حضرت خلیفۃ المسیح کے خطبات افریقہ اور دوسرے ایسے ممالک میں جہاں پاکستانی سمجھنے والے موجود ہیں پھیلائے جائیں اور کیسٹس کی ترسیل کا سلسلہ اس وقت شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت تک جو باہر سے آنے والے مہمان تھے ان کے لئے جلسہ سالانہ میں ساتھ ساتھ جاری تقریر کا ترجمہ کرنے کا رواج نہیں تھا۔ کچھ لوگ بیٹھے ہوتے تھے ساتھ وہ کچھ بتا دیا کرتے تھے مگر اکثر تو بے چارے بت بن کر محض ادب میں جلسے پر حاضر رہا کرتے تھے۔ تو

خدا تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ پہلے ترجمہ کرنے کا جاری نظام جو ہے وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی زندگی کے آخری ایام میں شروع ہو چکا تھا اور آفتاب احمد خان صاحب لندن سے تشریف لائے تھے میں جانتا تھا کہ ان کی اردو بھی بہت اچھی ہے، انگریزی بھی بہت اچھی ہے اس لئے ان سے درخواست کی اور انہوں نے ماشاء اللہ بہت عمدہ طریق پر اس ترجمہ کا حق ادا کیا۔ مختلف وقتوں میں، مختلف کمیٹیوں میں قرآن کریم کے جو ترجمہ کا سلسلہ چلا تھا میں نے اپنے ساتھ ایک کمیٹی بنائی ہوئی تھی اس میں بھی یہ شامل رہے اور صدر قضا بورڈ کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ 1986ء میں پہلی بار امیر UK مقرر ہوئے۔ جب امیر مقرر ہوئے ہیں تو جہاں تک ان کی نیکی اور تقویٰ کا تعلق تھا ایک ذرّہ کا بھی مجھے کبھی شک نہیں پڑا لیکن جہاں تک ان کی بیوروکریٹک تربیت کا تعلق تھا اس کے پیش نظر مجھے لازماً ساتھ ساتھ چلنا پڑتا تھا اور یہ بھی جانتے تھے کہ نظام جماعت کو چلانا اور چیز ہے اور بیورکریٹ ہو کر ایک بہترین مثال قائم کرنا ایک اور بات ہے۔ حکومت کی ملازمتیں، دنیا کی اعلیٰ تعلیمات کے باوجود، ایک شخص کی نیکی کے باوجود اسے جماعتی خدمات کے لحاظ سے پوری طرح صیقل نہیں کر سکتیں۔ یہ قصہ ہی اور ہے۔ انہی لوگوں کو یہ طریقہ آتا ہے جو بچپن سے خدام الاحمدیہ، اطفال الاحمدیہ، انصار اللہ ان کی تنظیموں سے جو طوعی کام کرنے والی تنظیمیں ہیں ان سے گزرے ہوں اور ان کو پتا ہو کہ طوعی کام لینا ہوتا کیا ہے۔

ایک بیوروکریٹ نے تو جب حکم دے دیا وہ حکم ہو گیا کام چل پڑا خواہ کوئی دل سے قبول کرے یا نہ کرے۔ مگر نظام جماعت میں لوگوں کے دلوں کو ساتھ لے کر چلنا یہ راز ہے نظام جماعت کی کامیابی کا اور اس کے علاوہ ہر بندے کی پہچان صحیح ہو کہ یہ اس قابل ہے بھی کہ نہیں۔ ظاہری طور پر بعض دفعہ لوگ قابل ہوتے ہیں باطنی طور پر قابل نہیں ہوتے۔ تو اس پہلو سے ان کو میں نے سمجھایا کہ جہاں تک ممکن ہے جو اہم فیصلے ہیں ان میں مجھ سے بات کر لیا کریں۔ چنانچہ اس دن کے بعد تا وفات انہوں نے مسلسل اس بات کو اپنائے رکھا، کبھی بھی کوئی فیصلہ آخری نہیں کرتے تھے جب تک پہلے مجھ سے بات نہ کر لیں۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ ان کے مشوروں کو میں مان جاتا تھا اور کئی دفعہ کہتا تھا کہ میرے نزدیک تو یہ ٹھیک نہیں۔ چھوڑ دیں اس بات کو اور بڑے شرح صدر کے ساتھ مسکراتے ہوئے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ چونکہ ایک دوستانہ رنگ تھا بھائیوں کی طرح اس لئے میں ہمیشہ اپنے اس اختیار کو بلکہ

اکثر اپنے اس اختیار کو کام میں لاتا ہی نہیں تھا کہ اگر مجھے تسلی نہیں ہے تو میں ان کو مجبور کروں کہ وہ اپنا مشورہ بدلیں اور اسی پر عمل کریں جو میں کہہ رہا ہوں۔ آپس میں گفت وشنید میں کہتا تھا اچھا آپ تجربہ کرلیں مگر میری رائے یہی ہے۔ اب یہ بھی ان کے تقویٰ کی نشانی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں لوگ جو میرے اردگرد ہیں وہ ہاں ہاں کر کے ہی اردگرد ہوتے ہیں، بالکل جھوٹ ہے۔ بہت سے میرے قریب ایسے ہیں جو اس لئے قریب ہیں کہ بڑی جرأت اور اعتماد کے ساتھ، اخلاق کے ساتھ اپنی رائے پیش کرتے ہیں جو میری رائے کے مخالف ہو لیکن شرط یہ ہے کہ جب میں فیصلہ دے دوں کہ یہ کرنا ہے، وہ نہیں کرنا اپنی رائے کو اس طرح مٹا دیتے ہیں جس کا وجود ہی کوئی نہیں تھا۔ یہ بات سو فیصدی آفتاب خان صاحب کی امارت پر اطلاق پاتی ہے۔ چنانچہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے کہا جی میرے نزدیک فلاں فلاں جو دوست ہیں وہ فلاں کام بہترین کر سکتے ہیں اور ساتھ معذرت کے ساتھ کہتے تھے مجھے پتا ہے آپ کو اتفاق نہیں۔ میں جانتا ہوں آپ کو اختلاف ہے مگر مجھے یقین ہے۔ میں نے کہا اگر آپ کو یقین ہے تو شوق سے کریں، میری طرف سے اجازت ہے۔ خدا کرے آپ کا یقین درست نکلے۔ تو اس کے بعد چھے مہینے، کبھی سال کے بعد سر پھینکا ہوئے آتے تھے کہ وہی بات ہوئی جو آپ کہتے تھے۔ مجھے یقین تھا مگر غلط نکلا۔ تو یہ جو لمبے تجربے سے ایک فراست نصیب ہوتی ہے یہ بیوروکریسی کو ملتی ہی نہیں کیونکہ ان کا ماحول مختلف ہے۔ نہایت ذہین ہونے کے باوجود اعلیٰ سے اعلیٰ افسر بھی اس تجرباتی فراست سے محروم رہتے ہیں جو لمبے عرصے کے ایسے کاموں سے نصیب ہوتی ہے جس میں جبر کو کوئی دخل نہیں ہے۔ طوعی کام ہیں اور اس میں وہی افسر کامیاب رہتا ہے جو طوعی خدمت لینے کا سلیقہ سیکھ جاتا ہے اور اس کے لئے پھر تجربے کی ضرورت پڑتی ہے۔

مجلس شوریٰ کے موقع پر اور ایسے مواقع پر کئی دفعہ بعض غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں مگر فوراً اس کی تصحیح فرماتے تھے۔ جب بھی میں ان کو کہتا تھا یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا جب بالکل صیقل ہو گئے اور اس جلسے کے بعد ایک موقع پر مجھ سے کہا کہ اب تو دیکھیں سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ اس مجلس شوریٰ کے بعد بھی یہی بات کی گویا یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس طرح آپ نے مجھے تیار کیا میں پوری طرح تیار ہو گیا لیکن جب تیار ہوئے تو اللہ نے واپس بلا لیا۔ اس کی رضا پر ہم راضی ہیں۔ وہ اور بھی ایسے ہمیں عطا کر دے گا لیکن خلاء جو چھوڑا ہے وہ بہت بڑا ہے، معمولی خلاء نہیں کیونکہ جماعتی کاموں کے علاوہ

جو جماعتی دائرے سے تعلق رکھتے ہیں میں نے ان سے بیرونی تعلقات میں بہت کام لئے ہیں کیونکہ بحیثیت ایک نہایت ذہین، کامیاب اور شریف النفس بیوروکریٹ کے ان کا تعلق اپنے ماتحتوں سے بھی گہرا تھا اور اپنے افسران سے بھی بہت گہرا تھا اور اردگرد جو بھی ان سے ملنے، ان سے رابطے میں آئے ان سے بھی تعلقات ہو جاتے تھے اور بیوروکریسی سے نکلنے کے بعد میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کے تعلقات اس قدر گہرے اثر انداز ہوئے ہوں ان لوگوں پر جن سے کبھی گورنمنٹ کی خدمت کے دوران واسطے پڑتے تھے۔ لوگ تو اس وقت سر جھکاتے ہیں کسی افسر کے سامنے، جب اس کی افسری ختم ہوئی تو ان کا سر بھی اٹھ کھڑا ہوتا ہے لیکن ماتحتوں کا بھی یہی حال ہے ان کے سامنے ان کی اطاعت کے جذبے بڑے اخلاص سے قبول کرتے، جب بات ختم ہوئی تو ان کو کوئی چھوٹا سا بھی کام کہیں ان کی مجال ہے جو یہ سن لیں کہتے ہیں تم اپنی جگہ ہم اپنی جگہ، اب ہم آزاد ہیں۔ ان کے حسن خلق سے کبھی کوئی آزاد نہیں ہوا اور یہ حسن خلق کی وجہ سے تھا اس لئے کبھی بھی کسی افسر کے ساتھ کبھی رابطہ ہوا ہے تو جب بھی اس سے کوئی کام پیش آیا اس نے بڑی محبت سے ان کے تقاضوں کو پورا کیا ہے۔

اس لئے اس تعلق میں میں ان سے سیاسی راہنماؤں سے تعلقات میں بھی کام لیتا رہا، یورپین معاملات میں بھی ان سے کام لیتا رہا اور پاکستان، ہندوستان کے پرانے تعلقات میں بھی ان سے کام لیتا رہا اور خدا کے فضل سے ہمیشہ انہوں نے کامیابی کے ساتھ وہ کام سرانجام دیئے لیکن انکساری کا یہ عالم تھا کہ جانے سے پہلے ضرور پوچھا کرتے تھے کہ میری یہ رائے ہے کہ اس طرح میں بات کروں گا۔ آپ اگر اس میں تبدیلی چاہتے ہیں تو مجھے بتا دیں۔ چنانچہ اب آخری جو ان سے خصوصی کام لیا گیا ہے وہ انٹرنیشنل فورم میں جو امریکہ میں منعقد ہوا جس میں مسلمانوں اور یہود کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے کیا تجاویز ہو سکتی ہیں، اس عنوان کے تابع انہوں نے جن کو دعوت دی ان میں آفتاب خان صاحب کا نام بھی شامل تھا۔ یعنی ان کی جو آواز، ان کا جو رسوخ ہے، ان کا کردار ہے وہ سیاست دانوں کی وساطت سے ان کو پہنچا ہے۔ بہت سے امریکہ یا کینیڈا یا یورپ کے لوگ ہیں چونکہ اس تعلق میں آپ کے بہت قریب رہے ان میں سے کسی نے ان کا نام بھیجا ہے کہ اس کو بھی شامل کرنا چاہئے۔ چنانچہ مجھ سے ذکر کیا کہ مجھے تو کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مفید ہے جماعت کے لئے تو میں چلا جاتا ہوں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے آپ ضرور جائیں اور آپ کو تو اس

مضمون پر کافی عبور ہے۔ انہوں نے کہا ہاں میں گلف کرائسز بھی پڑھ چکا ہوں سنا بھی ہوا ہے اور بھی آپ کو جانتا ہوں، آپ کے خیالات کو ان موضوعات پر، تو میں تیاری کرلوں گا فکر نہیں۔ جانے سے پہلے نماز کے وقت میرے دفتر تک چھوڑنے گئے تو کہا کہ مجھے ابھی تسلی نہیں ہو رہی۔ میرا دل چاہتا ہے آپ مجھے دوبارہ خود بتائیں کہ کیا کرنا چاہئے۔ اس پر جو میں نے ان کو بات بتائی تو چمک اٹھے۔ انہوں نے کہا یہ میرے دماغ میں نہیں تھی پہلے۔ اس سے تو سارا مضمون کا رخ ہی بدل گیا ہے۔ اب میں اسی طرح پیش کروں گا اور واپس آ کر اتنا خوش تھے، کہتے تھے ساری مجلس میں اسرائیل کے نمائندے بھی تھے، مقامی یہودی بھی، مسلمانوں کے ممالک کے نمائندے ہر قسم کے مگر سب سے زیادہ میری تقریر کو سراہا گیا اور لوگ بعد میں دوڑ دوڑ کر آ کے مجھ سے ملتے رہے اور گرم جوشی سے دو دو ہاتھوں سے مصافحے کئے اور اسرائیل کے نمائندے نے معذرت کی کھڑے ہو کر کہ مجھ سے جو اپنی تقریر میں گستاخانہ باتیں ہوگئی ہیں رسول اللہ ﷺ کے متعلق یا دوسرے میں معذرت کرتا ہوں میری غلطی تھی اور اس مقرر نے آفتاب خان نے مجھے درست کیا ہے اور بعد میں پھر بھری مجلس میں وہ معافی مانگنے کے لئے پھر آیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی فراست تھی۔ جو بات سمجھتے تھے اسے پیش کرنے کا سلیقہ جانتے تھے، بہترین انگریزی بولتے تھے اس پر عبور تھا مگر ساتھ انکسار تھا اور واپس آ کر خوشی سے جس طرح انسان ایک چیز میں ابلتے ہوئے بلبلے پیدا ہوتے ہیں اس طرح آپ ہنستے جاتے تھے اور خوش تھے، کہتے خدا نے دیکھو کیسا عمدہ موقع دیا۔ اگر میں نہ جاتا اور جس رنگ میں آپ نے اسرائیل کی بات چھیڑنے کا کہا تھا نہ چھیڑتا تو اس گستاخ کو کسی نے درست نہیں کرنا تھا اور وہ ایک ایسی بدتمیزی کی بات کر گیا تھا کہ اس کے نتیجے میں سب پر یہ تأثر پڑتا تھا کہ **نعوذ باللہ من ذالک**، رسول اللہ ﷺ یہود کے معاملے میں ظالم تھے لیکن جس رنگ میں میں نے بات کی اور کھڑے ہو کر احتجاج کا حق استعمال کیا اور کھول کر ان کو بتایا کہ بالکل جھوٹ ہے۔ کہتے صرف ایک بات میں حیران ہوں کہ ہمیں تو تجربہ تھا مولویوں کا لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسرائیلی یہودی، اسرائیل کا نمائندہ اتنا جلدی اپنا مؤقف بدل لے گا۔ یہ بھی یہ کہتے ہیں میرے لئے نیا تجربہ تھا۔ میرے دلائل کو سنا اور سر تسلیم خم کیا، اٹھ کر سب کے سامنے معذرت کی، اپنی غلطی پر معافی مانگی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف گستاخی کر کے دلآزاری کا کام کیا ہے اور ناجائز کام کیا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے جو میں

نے کہی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ پھر ایسے لوگوں کی، مخلصین کی مدد بھی فرماتا ہے اور جس جذبہ سے آپ نے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا تھا مجھے یقین ہے آسمان سے وہ طاقت اتری ہے جس نے اس کے دل پر رعب ڈالا ہے اور ساری مجلس اس بات پر متفق تھی کہ یہی وہ تقریر ہے جو سب سے اعلیٰ، سب سے عمدہ تھی تو کامیابی کی اس لوٹ پر، اس آخری مہر پر آپ کا وصال ہوا ہے۔

جملہ فرائض کو جب بھی، جو بھی سپرد کئے گئے بڑی کامیابی سے سرانجام دیا اور ان فرائض کی سرانجام دہی کے بعد ہمیشہ جب لوٹتے تھے تو بلاشبہ یہ کہا کرتے تھے کہ اس میں میری قابلیت کا کوئی دخل نہیں۔ میں نے نشان پورے ہوتے دیکھے ہیں اللہ کی مدد اترتی دیکھی ہے اور چونکہ دین کا کام تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کو قبول فرما لیا۔ یہی ان کا طریق بیان تھا جو امریکہ سے واپس آ کر تھا اور جیسا کہ واقعات ثابت کرتے ہیں، واقعۃً خدا کی طرف سے نصرت اترے بغیر اتنی بڑی تبدیلی نہیں ہو سکتی کہ اسرائیل کا نمائندہ یہودی، مسلمانوں کے مقابل پر رسول اللہ ﷺ کے متعلق بات کہہ کر معافیاں مانگے، ساری مجلس میں معافی مانگے اور پھر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ میں واقعۃً مطمئن ہو گیا ہوں کہ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں مجلس کے اختتام کے وقت فوراً اٹھا ہے اور تیزی کے ساتھ آفتاب خان صاحب کی طرف لپکا، مصافحہ کیا اور کہا میں پھر معافی مانگتا ہوں، مجھے معاف کر دیں۔ تو یہ رعب جو نصرت کا ہے یہ خدا تعالیٰ اپنے پاک بندوں کو ہی عطا کرتا ہے، ان کے اخلاص کی قدر کے ساتھ عطا کرتا ہے۔

پس بہت نیک انجام کو پہنچے ہیں اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے اور کام تو اس نے بنانے ہی بنانے ہیں مگر خدا کرے ان کی اولاد میں پھر ایسے اور بہت سے اٹھیں اور ہمیشہ اٹھتے رہیں جو ان کی یادوں کو اپنے نیک اعمال سے زندہ کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی نیکیوں کو اپنانے اور زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حقیقۃً اِنَّا لِلّٰہِ ہمارا بھائی اس دنیا سے چل دیا اور اس دنیا میں چلا گیا جو دائمی ہے جہاں خدا تعالیٰ کی جبروت اور جلال اور مالکیت جلوہ گر ہوگی۔ اللہ اس وقت آپ کو اپنی رحمت کے سائے تلے رکھے۔

نماز جنازہ کے تعلق میں کچھ اور بھی نام ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ دینا چاہتا ہوں ان کو بھی نماز جنازہ میں یاد رکھیں۔ مبارک محمود صاحب پانی پتی لاہور جماعت کے مخلص، فعال کارکن جن کے ساتھ بچپن ہی سے مجھے خدام الاحمدیہ کے سلسلہ میں کام کرنے کا موقع ملا اور ہمیشہ بہت ہی اخلاص

کے ساتھ یہ مفوّضہ فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ لاہور کے دوستوں کا ایک گروہ تھا جس میں یہ بھی تھے صدیق شاکر صاحب بھی تھے اور نیلا گنبد فیملی کے یحییٰ صاحب وغیرہ قیوم صاحب یہ سب ہمارا ایک گروہ تھا جو خدمات دین کے معاملات میں ہم مل کر مشورے کرنے کے بعد لاہور کے دائرے میں کام کرتے تھے۔ میں تو لاہوری نہیں تھا مگر ربوہ سے آ کر جس گروہ میں مل کر مجھے کام کا مزہ آتا تھا وہ بہت ہی سعادت کے ساتھ یہ خدمت کیا کرتے تھے ان میں مبارک محمود پانی پتی کا نام بھی انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا کیونکہ بڑا سلیقہ تھا خدمت کا۔

اور پھر چوہدری محمد لطیف صاحب ہیں سیکرٹری وقف جدید آف گھٹیالیاں ان کو میں نے اس لئے چنا ہے کہ ان کے متعلق رپورٹیں مرکز سے یہ ہیں کہ بے انتہا مخلص داعی الی اللہ تھے اور جب بھی ان کے سپرد کوئی کام ہوا ہے انہوں نے بہت آگے بڑھ کر کام کیا اور یہ وفات ان کی، یہ ایک شہادت کا رنگ اس لئے رکھتی ہے کہ آپ کسی دوسری جگہ گھٹیالیاں دینی کام میں یا ڈش پر خطبہ سننے جا رہے تھے یا اس قسم کا کوئی سلسلہ یا دعوت الی اللہ کا کام تھا یا ایسے لوگ جن کے پاس ڈش نہ ہوں وہ ساتھ کے گاؤں میں جایا کرتے ہیں تو مقصد دین کا ہی تھا جس سفر میں بس کے حادثے میں آپ شہید ہو گئے۔ تو ان کے متعلق مرکز سے خاص طور پر یہ خط ملا تھا کہ ان کی ساری زندگی خاموش لیکن بہترین خدمت میں صرف ہوئی ہے اس لئے اگر ممکن ہو تو ان کو بھی نماز جنازہ میں شامل کر لینا چاہئے۔ یہ جو آخری ہے نا ''اگر ممکن ہو'' یہ میں نے اپنی طرف سے بتایا ہے یعنی زبان یہ بول رہی تھی لیکن چونکہ میں نے منع کیا ہوا ہے کہ نام نہ لیں اس لئے کہا نہیں مجھے۔ سارا خط یہ بتا رہا تھا کہ سمجھ جائیں ہماری بات اور اس بھائی کو بھی شامل کر لو تو، چنانچہ میں نے اسی وقت لبیک کہا۔

عالم بی بی صاحبہ اہلیہ چوہدری فضل دین صاحب آف گھسیٹ پورہ یہ فضل الٰہی صاحب عارف مربی سلسلہ کی والدہ ہیں۔ سادہ مزاج، نیک طبع اور دعا گو جو مثالی بزرگ عورتیں ہمارے معاشرے میں ہوا کرتی تھیں، ابھی بھی ہیں، ان میں سے ایک تھیں۔ ان کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ایک آخری تازہ اطلاع جو ملی ہے وہ سیدہ منیرہ ظہور جو بہت ہی اعلیٰ پائے کی شاعرہ بھی تھیں، الفضل سے آپ کو ان کے ساتھ تعارف ہوا ہوگا، اکثر ان کے شعر الفضل میں چھپا کرتے تھے، مجھے پہلے لکھ کے بھیجا کرتی تھیں۔ بعض دفعہ کوئی تھوڑی سی ترمیم میں تجویز کر دیتا تھا تو خوشی سے قبول کرتی

تھیں۔ان کا اخلاص کا تعلق بھی بہت گہرا تھا ان کو بھی میں نے اس فہرست میں شامل کرلیا ہے۔اس لئے چار غائبانہ جنازے اس ایک حاضر جنازے کے ساتھ ہوں گے۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور انور نے فرمایا:

ایک بات جو میں نے کہنی تھی وہ ایسے لوگوں کے لئے دعا کی تحریک ہے جو نادانستہ طور پر یا دانستہ طور پر آفتاب خان صاحب کا دل دکھاتے رہے اور ان کا مزاج ایسا تھا کہ خاموشی سے مجھے بتائے بغیر کہ کس نے کیا گستاخی کی ہے بڑے تحمل کے ساتھ بات سن کے وہ گنوا دیتے تھے۔مجھے اطلاع ملتی تھی مجھے بہت تکلیف پہنچتی تھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ جو الزامات لگا کر آپ کے خلاف گستاخی کی ہے تم نے انصاف کا سلوک نہیں کیا، تم نے فلاں نہیں کیا ان سب میں یہ بالکل بے قصور ہوتے تھے۔مگر چونکہ طبیعت میں تحمل اور حوصلہ بڑا تھا اس لئے جرات کے ساتھ کئی لوگ آ کے جسے بے باکی کہنا چاہئے نہایت بدتمیزی کے کلمے بھی لکھ دیتے تھے کہہ بھی دیتے تھے وہ چپ کر کے دبا کے بیٹھ جاتے تھے۔جب مجھے یہ علم ہوا میں نے ان کی طرف سے بے چین ہوکر، بے قرار ہوکر ان کو سمجھانے کی بعض دفعہ کوشش کرتا رہا۔بعض سمجھے، بعض نہیں سمجھے۔مگر اللہ بہتر جانتا ہے اور کتنے واقعات ہوئے ہوں گے جس کی انہوں نے مجھے کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔تو ان کے لئے بھی دعا کریں جو گستاخیوں کے مرتکب ہوگئے۔اب وہ معافی بھی نہیں مانگ سکتے کیونکہ ہم میں یہ نہیں رہے۔تو حیّنا میں ان کو بھی شامل کرلیں اللہ ان کو بھی ہدایت دے، جو ان سے زیادتیاں ہوئیں اللہ معاف فرمائے اور ان کی زیادتیاں آفتاب خان صاحب کی نیکیوں کے پلڑے میں ڈال دے۔خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔آمین